خلیل الرحمن سجاد ندوی

# یہودیت اور ایرانی انقلاب

ٹھیک سات سال پہلے ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو ایران میں ایران اور عالم اسلام ہی کا نہیں انسانی تاریخ کا ایک ایسا عظیم الشان واقعہ برپا ہوا جس نے پوری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا، ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت جو ایشیا میں سب سے بڑی قوت ہونے کا دعویٰ رکھتی تھی، جدید ترین ہتھیاروں، لاتعداد تنظیموں ظلم و ستم کے خوفناک ہتھکنڈوں اور بڑی طاقتوں کی بیرونی سرپرستی کے باوجود نہتے عوام کے آہنی عزم سے ٹکرا کر پاش پاش اور زمین بوس ہوئی۔ شاہ کو چوروں کی طرح ملک سے فرار ہونا پڑا اور جس دن تحریک انقلاب کے قائد آیت اللہ خمینی اپنی جلاوطنی کے آخری مقام پیرس سے ہوا کے دوش پر اڑ کر پوری فاتحانہ شان کیساتھ تہران میں اترے، اور بیس لاکھ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اس بوریا نشین کے استقبال کے لئے امڈ آیا، اور بالآخر پوری قوم نے اسی خرقہ پوش کو اپنا محبوب رہنما و امام تسلیم کر لیا۔

سات سال کی مدت اس واقعہ پر گذر چکی ہے۔ اس دوران ہر روز نت نئے اور چونکا دینے والے واقعات بھی ہوتے رہے ہیں۔ اور اس عظیم الشان واقعہ کے بارے میں مختلف خیالات کا اظہار بھی کیا جاتا رہا ہے۔ ان خیالات کے مابین اگر اتفاق ہے تو صرف اس ابتدائی نقطہ پر کہ واقعہ بہت عظیم ہے۔ لیکن اس نکتہ آغاز سے بات آگے چلتی ہے۔ تو سب فلسفی کس طرح ڈور کو سلجھاتے ہیں اور سرا ملتا نہیں۔ اس کیفیت کا اصل سبب یہ ہے۔ کہ اپنی جزئیات، وسعت اور شدت کے لحاظ سے اتنا بڑا واقعہ صدیوں سے ان کی نگاہوں کے سامنے نہیں آیا، ان کے دائرہ شعور اور گرفت ادراک میں جو واقعات بالعموم آتے رہتے ہیں وہ ان کے تجزیہ کا تجربہ رکھتے ہیں لیکن انقلاب ایران جیسے ہمہ گیر واقعہ کا تجربہ ان کیلئے بالکل نیا ہے۔ وہ اسے تجزیہ کی سان پر چڑھاتے ہیں، بار بار گھستے اور رگڑتے ہیں، لیکن اس کا چہرہ چمکنے اور دمکنے کا نام نہیں لیتا۔ اسرار اور استعجاب کی موٹی تہیں ابھی تک اس پر سختی سے جمی ہوئی ہیں"۔[1]

دعوتی و تحریکی ماحول میں پلنے والے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے جسکی خاص دلچسپی اپنے اندر بلند حوصلگی، بلند نظری اور اسلامی حمیت و شجاعت کے اوصاف پیدا کرنے سے ہے۔ ایران میں ہونے والا یہ واقعہ میری توجہ کا بھی مرکز رہا۔ اس طویل مدت میں شاید ہی کوئی دن ایسا رہا ہو جس میں کہ یہ واقعہ کسی نہ کسی پہلو سے غور و فکر کا موضوع نہ رہا ہو۔ اب جبکہ میں اپنے غور و فکر کا حاصل تمام دنیا کے مسلمانوں اور انصاف پسند انسانوں کے سامنے رکھنے جا رہا ہوں، میں نے ممکن حد تک صبر و انتظار سے کام لے کر ٹھوس دلائل اور ناقابل انکار شہادتوں کی بنیاد پر جو موقف قائم کیا ہے۔ الحمد للہ کہ میرا ضمیر اس بارے

[1] یہ اقتباس ... درمیان کی عبارت "انقلاب ایران کیا کھویا؟ کیا پایا؟" از جناب محمد صلاح الدین صاحب ص ۹۴ سے ماخوذ ہے۔

ہیں پوری طرح مطمئن ہے کہ نہ اس میں کسی جانبداری کو دخل ہے اور نہ کسی ذاتی غرض یا جماعتی عصبیت کو، بلکہ صرف اور صرف اللہ رسول اور امت مسلمہ کے ساتھ وفاداری اور خیر خواہی کا وہ جذبہ اس کے پیچھے کار فرما ہے جو لازمۂ ایمان ہے۔ اور جس کے دوام اور رسوخ کیلئے میں سب کی دعاؤں کا محتاج اور طالب ہوں۔

یہودیت اور اسلام | ایران اور یہودیت کے درمیان تعلق کی تاریخ بہت قدیم ہے اور جب تک اس قدیم تعلق کی تصویر واضح نہیں ہوگی حالیہ واقعات کی صحیح نوعیت کو سمجھنا مشکل رہے گا، اس لئے پہلے ہم کوشش کریں گے کہ ایران اور یہودیت کے مابین اس قدیم تعلق پر مختصراً روشنی ڈالیں، اور اس کے لئے ہمیں اسلام کے ساتھ ان دونوں کے سلوک کی تاریخ بھی بیان کرنی پڑے گی اور ان کی مزاجی خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کرنا ہوگا۔ آئیے پہلے یہودیت اور اسلام کے درمیان تعلقات کی صحیح نوعیت اور اسکی تاریخ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے اسحاق (علیہ السلام) تھے اور دوسرے اسماعیل (علیہ السلام) اسحاق علیہ السلام کی جو نسل ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام سے چلی اسے بنو اسرائیل کہا گیا، اس کا مستقر فلسطین تھا، اور حضرت اسماعیلؑ کی نسل بنو اسماعیل کہلائی، اس کا مستقر مکہ مکرمہ تھا۔

حضرت یعقوب سے لے کر حضرت عیسیٰ تک ہزارہا ہزار سال کی مدت میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام یکے بعد دیگرے اس اسرائیلی نسل کی رہنمائی اور تربیت کے لئے بھیجے جاتے رہے لیکن ہر نبی کو قوم کی اکثریت کی طرف سے تکذیب اور سازشوں کا ہی سامنا کرنا پڑتا۔ اور ایک محدود تعدادی ہوتی جو روایت پرستی اور گروہی عصبیت کی پست سطح سے بلند ہو کر خدا کے پیغمبروں کی تصدیق کرتی۔

اس طویل مدت میں اسرائیلی قوم پر عروج و زوال اور مد و جزر کے کئی دور آئے قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۴ تا ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر یہ فیصلہ فرمایا تھا اور بنی اسرائیل کو اپنے اس فیصلہ سے آگاہ بھی کر دیا تھا کہ وہ اپنی تاریخ میں دو دفعہ زمین فساد مچائیں گے اور بہت سر اٹھائیں گے۔ اور دونوں مرتبہ انہیں اس فساد اور سرکشی کی سخت سزا اس طور پر دی جائے گی کہ ان پر بے رحم اور ظالم طاقتوں کو مسلط کر دیا جائے گا۔ جو ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑیں گے۔ اور انہیں ارض مقدس سے نکال باہر کریں گے۔ اور ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیں گے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو دو مرتبہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سخت شکست کھا کر ارض مقدس سے نکلنا پڑا، اور شدید ذلتوں اور ہزیمتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلی بار تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ۵۰۰ سال پہلے جب بابل (عراق) کے بادشاہ بخت نصر (بنوخذ نذر) نے ارض مقدس پر حملہ کیا، اور اسرائیلیوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا، یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور تورات کے پرزے پرزے اڑا دیئے۔

اس غلامی اور بدحالی میں ۴۰۰۔۵۰۰ سال گذر گئے۔ اس عرصہ میں نبیوں نے قوم کے اندر دین اور سلامت روی

کی طرف واپسی کی محنت کی ، لوگوں کو اپنی غلطیوں کا عام احساس ہوا ، اور دین کی طرف عام رجوع ہوا تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی کا فیصلہ ہوا ۔ اور ارادۂ الٰہی یہ ہوا کہ اب اسرائیلیوں کو ارض مقدس کی تولیت دوبارہ سونپی جائے (یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ مخفی ہی رہتا ہے ۔ اور پوری کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے ۔ وہ جب کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے اسباب اور شکلیں بھی خود ہی بناتا ہے اور اپنی کسی مخلوق کو آلات وجوارح کے طور پر استعمال کر لیتا ہے ۔ انسانی ہاتھوں اور اسباب کی حیثیت خدا کی اس کائنات میں کاریگر کے اوزاروں سے زیادہ نہیں ہوتی ۔) چنانچہ اللہ نے ایران کے اس وقت کے بادشاہ سائرس سے یہ کام لیا ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ۵۳۹ ق م میں شاہ سائرس نے بابل (عراق) کے حکمران کلدانیوں پر حملہ کر کے شکست دی اور وہاں قید اسرائیلیوں کو ارض مقدس میں واپسی کی اجازت دے دی جس کے بعد وہ دوبارہ ارض مقدس میں آباد ہوئے ۔ بنو اسرائیل کے حالات میں اسی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے :

ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم وامددناکم باموال وبنین وجعلناکم اکثر نفیرا ۔ ...

پھر ہم نے تمہارے دن پھیرے اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہیں ایک کثیر التعداد جماعت بنا دیا ۔

بنو اسرائیل کو دوسری مرتبہ ذلت وبربادی اور ارض مقدس سے جلاوطنی کے حالات سے اس وقت دوچار ہونا پڑا جب ان کی اکثریت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگا کر ان کو قتل کر دینے کی سازش کی ۔ یہی موڑ ہے جہاں سے بنو اسرائیل کی خاصی بڑی تعداد نے یہود کے نام سے ایک الگ تشخص اختیار کر لیا ۔ اور یہیں سے "یہودیت" کا آغاز ہوا ۔ اور یہودیوں کے دلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان رکھنے والوں کے خلاف سخت غیظ وغضب کی آگ بھڑکنے لگی پھر جب ان کا بگاڑ اور سرکشی نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تب رومی شہنشاہ طیطاؤس کو ان پر مسلط کر دیا گیا جس نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا ۔ یہودیوں کا قتل عام کیا ۔ اور قرآن کے الفاظ میں "یہود کے چہرے بگاڑ دئیے ، اور مسجد اقصیٰ میں اسی طرح گھس گئے جسطرح پہلی مرتبہ دشمن گھسے تھے ۔ اور جس چیز پر قابو چل گیا اسے توڑ پھوڑ ڈالا" اور یہودیوں کو ایک بار پھر بیت المقدس سے نکل کر اطراف عالم میں پناہ لینی پڑی ۔ یہ واقعہ یہودیوں کی تاریخ کے اہم ترین واقعات میں سے ہے اسے EXODUS (خروج) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے عہد نزول قرآن کے یہود کو ان کی تاریخ کے یہ عبرت انگیز واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مدنی دور کے آغاز سے کچھ ہی عرصہ پہلے یاد دلائے تھے جب کہ ہجرت نبوی کے بعد وہ پہلی مرتبہ دعوت محمدی کے مخاطب بننے والے تھے ۔ اور گویا اپنی شرمساری کے اظہار اور غلطی کے اعتراف کا انہیں ایک آخری موقع ملنے والا تھا

اور ان پر خدا کی رحمت کا دروازہ آخری بار کھلنے والا تھا چنانچہ ان واقعات کو یاد دلانے کے بعد انہیں براہ راست مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے ارشاد بھی فرمایا تھا:

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا

ممکن ہے تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر ویسا ہی رویہ اختیار کیا تو ہم بھی وہی معاملہ دہرائیں گے اور حق کے منکروں کیلئے ہم نے جہنم کا احاطہ بنا رکھا ہے۔

علماء قرآن کے نزدیک اس اعلان کا مطلب یہی تھا کہ "بنو اسرائیل کو توبہ و انابت کا آخری موقعہ دیا جاتا ہے۔ اگر انہوں نے حق پسندی کو راہ دی تو خدا ان پر رحم فرمائے گا۔ ورنہ ہمیشہ کے لیے وہ اس سب سے محروم کر دئیے جائیں گے"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے وہاں آباد یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیام رحمت اپنے معروف ناصحانہ انداز میں پہنچانا شروع کیا۔ آپ نے ہر ممکن کوشش اس کی کی کہ یہ لوگ آپ کی داعیانہ و ناصحانہ شخصیت قریب سے دیکھ کر صحیح طور پر سمجھ لیں اور انہیں تورات و انجیل اور دیگر اسفار یہود میں موجود علامتوں اور پیشین گوئیوں کی روشنی میں آپ کو پہچاننے میں دقت نہ ہو، اس مقصد کے لئے آپ نے جو عظیم اور انتھک جدوجہد کی، اور جس صبر و ضبط کے ساتھ آپ نے یہود کو ابراہیمی رشتے سے مخاطب کر کے اور ملت ابراہیمی کا حوالہ دیکر اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اپنی نبوت و رسالت پر ایمان کی دعوت دی وہ بلاشبہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ کی سیرت کے اس حصہ کی تفصیلات ضخیم کتاب چاہتی ہیں۔ اس مضمون میں ہم صرف قارئین کی توجہ قرآن مجید کی ان آیات کی طرف مبذول کرا سکتے ہیں، جن میں ابتدائی مدنی عہد میں بنو اسرائیل کو مخاطب کر کے صاف صاف پیغام رحمت سنایا گیا ہے۔ خاص طور پر ہمارا اشارہ سورۂ بقرہ کی آیت ۴۰ تا ۴۶ اور آیت ۴۷ تا ۱۰۱ کے قرآنی قطعوں کیطرف ہے۔ ان آیات پر تھوڑا سا غور کرنے سے وہ مثبت اور ناصحانہ انداز پوری طرح سامنے آتا ہے جس کا التزام ان بنی اسرائیل تک اللہ کا پیغام پہنچانے میں پوری احتیاط کیساتھ کیا جا رہا تھا۔

اس سلسلہ میں ہم رسول اللہ علیہ وسلم کے اس خط کا مضمون بھی نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو آپ نے خیبر کے یہودیوں کو بھیجا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" یہ خط اللہ کے رسول محمد کیطرف سے ہے جو حضرت موسیٰ کے دوست اور بھائی ہیں، اور شریعت موسوی کی تصدیق کرتے ہیں۔

اے اہل کتاب! اللہ کا ارشاد ہے اور اسے تم اپنی کتاب میں پڑھ سکتے ہو کہ "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں مضبوط ہیں، اور آپس میں مہربان ہیں تم انہیں

---

[1] علامہ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۳ ص ۴۵۷

دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں اور کبھی سجدہ میں، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے رہتے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ ان کے چہروں سے نمایاں ہیں۔ ان کے یہ اوصاف توریت میں ہیں انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو مضبوطی بخشی، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کہ کسانوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگی۔ تاکہ ان سے کافر جلیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے اور نیکو کاروں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔ تمہیں اللہ کی قسم اور جو کچھ اس نے تم پر نازل کیا ہے۔ اسکی قسم جس نے تمہارے بزرگوں کو فرعون اور اس کے مظالم سے بچانے کی خاطر سمندر کو خشک کر دیا تھا۔ سچ سچ بتانا کیا تمہاری کتاب یہ بات نہیں بتاتی کہ تمہیں محمد پر ایمان لانا ہے؟ اگر یہ بات تمہیں اپنی کتاب میں نہ ملے تو پھر دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ بہر حال میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول کیطرف بلاتا ہوں [1]

لیکن تاریخ کا یہ بہت المناک اور نتائج کے اعتبار سے بہت نامبارک واقعہ ہے کہ یہودیوں نے خدا کے اس آخری پیام رحمت کو اپنے روایتی غرور اور نسلی گھمنڈ کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ درخور اعتنا نہیں سمجھا بلکہ پہلے ہی دن سے اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی دعوت کے خلاف سازشوں اور تخریبی کوششوں کیلئے وقف کر دینے کا تہیہ کر لیا۔

ہم نے "پہلے ہی دن سے" کا لفظ اپنے حقیقی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ کیونکہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قباء کے راستے داخل ہوئے تھے، اور ابھی قباء ہی میں مقیم تھے اس کے دوسرے ہی دن یثرب کے یہودیوں کے دو بڑے لیڈر حی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب آپ سے وہیں آکر ملے تھے حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ (جو بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور ام المؤمنین بنیں) اپنے باپ، اور چچا کی آپؐ کے ساتھ اس ملاقات کا حال بیان کرتی ہوئی کہتی ہیں:

جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور قباء میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں اترے اسی دن میرے والد حی بن اخطب اور میرے چچا ابو یاسر بن اخطب آپ کے پاس صبح اندھیرے کے وقت گئے تھے اور (دن بھر آپ کے ساتھ گذارنے اور) شام کا اندھیرا ہونے کے بعد جب واپس آئے تھے تو بہت ہی خستہ حال اور تھکے ہارے نظر آ رہے تھے، میں نے اس وقت اپنے چچا ابو یاسر کو اپنے والد حی بن اخطب سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا۔

"کیا یہی ہے "وہ"؟

بالکل! میرے والد نے جواب دیا۔

---

[1] ابن ہشام ص ۳۷۶ - ۳۷۷

"آپ کو اس کا پورا یقین ہے کہ یہی وہ (نبی) ہے" ؟ میرے چچا نے پوچھا۔

ہاں ہاں! مجھے اس کا پورا یقین ہے" میرے والد نے کہا۔

پھر اب اس کے بارے میں پالیسی کیا رہے گی" ؟ میرے چچا نے پوچھا۔

"مخالفت" جب تک زندہ ہوں اس کا دشمن ہی رہوں گا۔ میرے والد نے جواب دیا[1]

تاریخ کی ناقابل انکار شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو آپ کے نبی برحق ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں تھا، لیکن اپنی بابت خدا کی پسندیدہ نسل ہونے اور تمام بنی نوع انسان میں سب سے اعلیٰ و افضل ہونے اور تمام عربوں کے حقیر اور "امی" ہونے کا جو وہم ان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکا تھا، اس نے اس کھلی ہوئی حقیقت کو قبول کرنا تو درکنار انہیں اس سمت میں سوچنے کی بھی اجازت نہیں دی، بلکہ انہوں نے ہر وہ تدبیر اختیار کی جس سے اسلام کے اس پیام رحمت کی سخت سے سخت مزاحمت ہو سکے۔ ہم ذیل میں ان کی چند تدبیروں کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ یہودیوں کے لئے یہ بات بڑی تشویش کا باعث تھی کہ مدینہ کے دونوں عربی قبیلے اوس اور خزرج تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہہ رہے تھے اور آپس میں متحد ہو کر ایک مضبوط طاقت ہوتے جا رہے تھے۔ انہی دونوں قبیلوں کی محکومیت اور باہمی لڑائی اور چپقلش پر یہودیوں کے اقتدار کا انحصار تھا۔ چنانچہ ان کے شاعروں نے اسلام کے حلقہ بگوش عربوں پر طعن و تشنیع کے تیر چلانے شروع کر دئے کہ انہوں نے ایک باہر کے شخص کی قیادت کو تسلیم کر کے اپنی عزت خاک میں ملا دی، سیرت، و تاریخ کی کتابوں میں اس سلسلہ کی بہت سی ہجائیہ نظمیں موجود ہیں۔ ابو عفک کی ایک نظم کے چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

میں نے ایک زمانہ دیکھا ہے ...... مگر بنو قیلہ (اوس و خزرج) سے بڑھ کر۔

عہد و پیمان کا لحاظ رکھنے والے نہیں دیکھے۔

یہ پہاڑوں کو ہلا دیتے ہیں اور خود ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

لیکن ایک "سوار" نے آکر انہیں توڑ دیا۔

ارے اگر تمہیں طاقت ہی کو سجدہ کرنا تھا تو پھر شاہان تبع کے آگے کیوں نہیں جھک گئے تھے۔"؟ ایک خاتون شاعرہ عصماء بنت مروان نے کھلے لفظوں میں انصار کو گالیاں دیں۔ اور اپنی نظم میں انہیں " اے بنو مالک کے بھڑ ئیو! اے عوف اور خزرج کے ہیجڑو! ---- جیسے ناشائستہ الفاظ سے مخاطب کیا، مشہور یہودی لیڈر کعب بن اشرف نے ازواج مطہرات اور عام مسلم خواتین کو نشانہ بنایا اور نہایت گندے اشعار ان کے بارے میں کہے۔

۲۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے اوس اور خزرج کی باہم بڑی چپقلش رہا کرتی تھی، ایک طویل جنگ بھی ان دونوں قبیلوں

---

[1] ملاحظہ ہو مکائد یہودیۃ از عبدالرحمٰن حسن منبکہ ص ۴۴ ط: دارالقلم، بیروت ۱۹۷۴ء

کے درمیان ہو چکی تھی، یہودیوں نے بار بار اس کی کوشش کی کہ ان دونوں کے درمیان پھوٹ پڑے اور نفرت و دشمنی کے وہ جذبات جن کو ایمان کے رشتے نے کافور کر دیا تھا از سر نو بیدار ہوں۔

۳۔ یہودیوں نے ایک حربہ یہ بھی اختیار کیا کہ ان کے آدمی سوچے سمجھے منصوبہ کے مطابق اسلام میں داخل ہوتے اور پھر یہ کہتے ہوئے واپس آجاتے کہ اندر سے اسلام کو دیکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ صحیح راستہ نہیں اور محمد خدا کے وہ رسول نہیں ہیں جن کا ہمیں انتظار ہے۔

۴۔ معاہدہ شکنی، اقتصادی بندشوں اور پروپیگنڈے کی زبردست مہم چلا کر مسلمانوں کی ہمت کو پست اور توجہ منقسم کرنے کی کوششوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

۵۔ کفار مکہ اور دیگر اسلام دشمن عرب قبائل کے ساتھ اسلام کے خلاف متحدہ کوشش کی منصوبہ بندی اور اس سلسلہ میں خفیہ سمجھوتے بھی یہودیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا ایک حصہ تھے جن کا نقطہ عروج جنگ احزاب کے موقع پر سامنے آیا اس جنگ کے بارے میں یہ بات تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ اس کے پیچھے خالصتاً یہودی سازش ہی کا ہاتھ تھا، اور انہی کی خفیہ سفارتی سرگرمیوں کے نتیجہ میں یہ نقشہ دیکھنے میں آیا تھا کہ عربوں کے مختلف قبائل، بنو غطفان، بنو فزارہ، بنو سلیم، اشجع، بنو مرہ اور بنو اسد کے دستے اور قریش کی فوج ایک اتحادی فوج بن کر ابو سفیان کی کمان میں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئی تھی، ابن سعد کے بیان کے مطابق یہ فوج دس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مدنی دور میں یہودیوں نے آپ کی شخصیت اور آپ کے گھر والوں اور ساتھیوں کے خلاف جتنی سخت سازشیں کیں اور آپ کے رحمت بھرے پیام کا جواب جس قدر وحشتناک اور ظالمانہ طریقہ پر دیا ان تمام واقعات کے بے کم و کاست بیان اور اس منظر کی صحیح تصویر کشی کے لئے ہزاروں صفحات کی ضرورت ہے۔ سر دست تو اس طرف اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

مشہور امریکی نومسلمہ مریم جمیلہ جو خود یہودی النسل ہیں لکھتی ہیں:

"واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ مدینہ کے یہودیوں میں ایک نبی کی آمد کا چرچا پہلے سے ہوا کرتا تھا، اور ان کے کچھ بڑے احبار نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کی صداقت کو پرکھ بھی لیا تھا، لیکن بار بار کے تعاون کے معاہدوں کے باوجود، جو اولین موقع پر توڑ دئے جاتے تھے، وہ اسلام کے بدترین دشمن ثابت ہوئے۔ حتیٰ کہ متعدد نسبی اور مذہبی قرابتوں کے باوصف عرب کے یہودی شاعروں نے مسلمان پاکیزہ عورتوں کی عفت پر بہتان تراشی کے حملے شروع کر دئے، اور مشرکین کے شرک کو اسلام سے بہتر کہنے لگے۔ جس عورت نے نبی کریم کے کھانے میں زہر شامل کیا تھا وہ بھی خیبر کے ایک یہودی سپاہی کی بیوی ہی تھی، اسی زہر کے اثر سے آپ اس مرض میں مبتلا ہوئے تھے جو بالآخر آپؐ کی

وفات کا سبب بنا رہا۔

ایک عام انسان کیلئے جس قدر حیرت انگیز اور تکلیف دہ یہ ظالمانہ یہودی طرز عمل ہے، اس سے زیادہ حیرت انگیز اور سبق آموز اس کے مقابلہ میں صبر و برداشت اور نرمی و درگذر کا وہ بے مثال رویہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے غیر تمند، بہادر اور پر جوش ساتھی اپنی داعیانہ حیثیت کو ہمہ وقت ملحوظ رکھنے اور اپنے جذبات کو اللہ کی منشاء پر قربان کرتے رہنے کی اس عادت کی وجہ سے مستقل طور پر اختیار کئے رہے جو ان کے اندر قرآنی و نبوی تربیت کے فیضان سے راسخ ہوگئی تھی۔ جب بھی یہودیوں کیطرف سے کوئی نئی حرکت ہوتی، اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ اپنی منشاء کو یاد دلا دیتا اور ابلتے ہوئے جذبات پر ایک دم قابو پا لیا جاتا۔

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہودی لیڈروں حی بن اخطب، ابو یاسر بن اخطب اور کعب بن اشرف کی قیادت میں مسلمانوں کو اسلام سے بدظن اور برگشتہ کرکے کفر و ارتداد کی طرف کھینچنے کی زبردست مہم شروع کی گئی تب قرآن نے مسلمانوں کو مخاطب کرکے کہا:

ودّ کثیر من اهل الکتاب لو یردونکم
من بعد ایمانکم کفاراً حسدا من عند
انفسهم من بعد ماتبین لهم الحق
فاعفوا واصفحو حتی یاتی الله بامره
ان الله علی کلّ شیئ قدیر۔

بہت سے اہل کتاب کا یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ حق ان پر بالکل واضح ہو چکا ہے۔ صرف اپنے نفسانی جذبۂ حسد کی وجہ سے ان کی یہ کوشش ہے کہ وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر سے کفر کیطرف واپس لے جائیں، پس تم اس وقت تک ان کیساتھ عفو و درگذر ہی کا معاملہ کرو جب تک کہ اللہ کا کوئی حکم نہ آئے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اسی طرح کے ایک اور موقع پر جب کہ مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصانات پہنچانے کی یہودی سازشیں زوروں پر تھیں اور نہایت تکلیف دہ اور اشتعال انگیز پروپگنڈہ ان کی طرف سے کیا جا رہا تھا، مسلمانوں ہی کو مخاطب کرکے قرآن میں کہا گیا تھا:

لَتُبلَوُنَّ فی اَموالِکُمْ وَاَنفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ
من الّذین اوتوا الکِتٰبَ من قبلکم وَمِنَ الّذِیْنَ
اَشرکوا اذیً کثیراً وَاِن تصبِروا فانّ ذٰلك
من عَزْمِ الامُورِ۔

ضرور بالضرور تمہارا امتحان لیا جائے گا۔ تمہارے مالوں میں اور تمہاری جانوں میں، اور تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان کی طرف سے اور مشرکین کیطرف سے تم بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے، اگر صبر کئے رہوگے اور پرہیزگاری پر قائم رہوگے تو یہ ہمت کے کام ہیں۔

---

لہ MARYAM JAMILAN. ISLAM VERSUS AHL-AL-KITAB LUCKNOW 1983 P.16

ان قرآنی ہدایات کی روشنی میں رسول اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے سو فیصد منفی طرزِ عمل کے جواب میں اپنے طرزِ عمل کو سو فیصد مثبت ہی رکھا، اور صرف عفو و درگذر اور صبر و برداشت ہی پہ اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر چھوٹے بڑے عمل سے اس کا ثبوت دیا کہ وہ ان کے ساتھ توقیر و مدارات کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں اور جس دین اور طرزِ زندگی کو وہ قائم کرنا چاہتے ہیں وہ وہی ہے جو سلسلۂ اسرائیلی کے سب انبیاء کا دین تھا۔ چنانچہ ثابت ہے کہ آپ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن کا روزہ اس دن کی یاد قائم کرنے کیلئے رکھتے تھے جس دن کہ حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی تھی، تو آپ نے مسلمانوں کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم یہ کہہ کر دیا کہ موسیٰ سے ہمارا تعلق تم سے (یعنی بنی اسرائیل) سے کم نہیں ہے[۱]

آپ کے اس رویہ کی ایک بہت واضح دلیل آپ کا یہ مستقل طرزِ عمل بھی ہے جس کے بارے میں عبداللہ بن عباسؓ کے الفاظ یہ ہیں: وکان النبی یحب موافقۃ اھل الکتاب فیما لم یومر فیہ بشئ جن چیزوں کے بارے میں کوئی خاص حکم الٰہی نہ ہوتا آنحضرتؐ ان چیزوں میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ہی کے مطابق آپ نے بالوں کو یونہی چھوڑ دینے اور مانگ نہ نکالنے کا جو معمول اپنایا تھا اس کی بھی یہی وجہ تھی کہ اہل کتاب کا معمول یہی تھا[۲]

لیکن روزمرہ کا تجربہ شاہد ہے کہ بعض لوگ اتنے کم ظرف، اور بے حس ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ جس قدر شرافت مروت، اور احسان کا معاملہ کیا جائے۔ وہ اسی قدر کمینہ پن احسان فراموشی اور کم ظرفی کا ثبوت دیتے ہیں۔ بنو اسرائیل کی پوری مذہبی تاریخ کا یہی خلاصہ ہے۔ انہوں نے ہمیشہ نیکی کا جواب بدی سے دیا ہے۔ ہمیشہ محبت کے بدلے میں نفرت دی ہے۔ ہر ایک کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ہر ایک کو دشمن سمجھا ہے اس نفسیاتی بیماری اور کم ظرفی نے انہیں عجیب قسم کی بزدلی چڑچڑے پن، شکی مزاجی اور ڈر میں مبتلا کر رکھا ہے۔ جب بھی کوئی ان کی طرف ہمدردی و محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ شخص بنو اسرائیل کا دشمن ہے۔ اور یہ ان کی موروثی عظمت کو چھین لینا چاہتا ہے۔

ہم یہودیوں کی نفسیاتی خصوصیات کے بیان کیلئے ایک بار پھر مریم جمیلہ کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں اور اس انتخاب کی وجہ، جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں یہی ہے کہ وہ یہودی النسل ہونے کے ناطے گھر کے بھید سے زیادہ واقف ہیں انہوں نے یہودیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ:

"تمام برعکس شہادتوں کے باوجود اپنے کو خدا کی منتخب نسل کہنے پر اصرار کرتے ہیں، اپنے کو پیدائشی طور پر دنیا کے تمام انسانوں سے اعلیٰ و افضل قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنے سوا کسی کے ساتھ وفادارانہ تعلق نہیں رکھتے وہ آپس میں مثالی اخلاقیات کا مظاہرہ کر سکتے ہیں لیکن "حقیر اور ان پڑھ غیر یہودیوں" کے ساتھ ایسے کسی برتاؤ کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ شراب اور سودی کاروبار وغیرہ پر قبضہ کے ذریعہ وہ دوسروں کے کردار کو خراب کرنے

---

[۱]، [۲] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اتیان الیہود النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینہ۔

کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں ۔ اور اگرچہ وہ گرمجوشی کیساتھ اس یقین پر قائم ہیں کہ یہودیت ہی صحیح مذہب ہے لیکن وہ سختی کیساتھ باہر سے آنے والوں کو (یعنی غیر یہودیوں کو ) (یہودیت کے اندر آنے سے ) روکتے ہیں۔
یہودی عالم کے بنیادی فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ وہ یہودیت قبول کرنے کے ہر امکان کی حوصلہ شکنی کرے[1] جو معاملہ مدینہ کے یہودیوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ کیا اسے اس یہودی مزاج کے چوکھٹے میں رکھ کر دیکھا جائے تو وہ بالکل فٹ نظر آتا ہے ، اس پر افسوس چاہے جتنا بھی کیا جائے تعجب نہیں کیا جا سکتا۔

---

ہم نے اس مقالہ کے آغاز میں اس خدائی اعلان کا تذکرہ کیا تھا جس کے بموجب ، مدنی دور سے متصلاً پہلے ہی بنی اسرائیل سے صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تم نے محمد کے ذریعہ بھیجے ہوئے پیام رحمت کو قبول نہ کیا اور تخریب توڑ پھوڑ اور برتری کا نشہ تم پر حسب سابق سوار رہا تو ہم بھی تمہارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو اس سے پہلے ایسی حالت میں کرتے آئے ہیں —— (وان عدتم عدنا ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانے اور ان کے خلاف سازشوں کی سزا انہیں مدینہ منورہ اور پھر خیبر، فدک اور تیما سے نکال کر دی گئی اور اسی دن سے ہر یہودی کے دل میں مسلمانوں اور عربوں سے نفرت اور انتقام کی آگ بھڑکنے لگی اور پوری یہودی قوم فلسطین کیساتھ حرمین شریفین اور خیبر وغیرہ پر بھی قبضہ کی تمنا کی آگ میں جھلسنے لگی۔ اس تمنا کی تکمیل کیلئے اور اپنی بھڑاس نکالنے کے لئے یہودیوں نے اس کے بعد جو کچھ کیا اس کا ذکر انشاء اللہ آگے آئیگا۔
امید ہے کہ سطور بالا سے یہودیت اور اسلام کے مابین تعلق کی نوعیت اور ابتدائی تاریخ کسی حد تک واضح ہو گئی ہوگی ۔ یہ تاریخ کی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام دشمنی کے اعتبار سے یہودیت کا نمبر ایک ہے ۔ اور جس دن قرآن نے یہ اعلان کیا تھا کہ یہودی اشد الناس عداوۃً للذین آمنو ۔ (اہل ایمان کی دشمنی میں تمام انسانوں سے زیادہ سخت) ثابت ہوں گے ۔ اس دن سے آج تک ہر روز اس اعلان کی صداقت کے ٹھوس ثبوت فراہم ہوتے رہے ہیں ۔ کاش کہ امت ایمانی استعداد کے ساتھ قرآن مجید پر غور کرتی ۔

---

قادیان سے اسرائیل تک